پنجاب پر انگریز کا تسلّط (۱۸۴۹ء-۱۹۴۷ء)

فرح گل بقائی*

Abstract

This article is about British rule in Punjab. It covers the changes which British brought in Punjab. The Punjabi appreciated British reforms in agriculture sector. The digging of canal and spreading it net between doaba's changed the life style of people. The people who were nomads and used to raise cattle, goats and sheep's settled in vast land of Punjab and started cultivation. The transport facilities specially the trains helped in efficient transportation of raw material from fields to markets and foreign lands.

In education sector British introduced formal education. The indigenous education system was based more on self help basis. It required more initiative on both sides that was teacher and taught. It was not commercial as education became after British take over. According to G.W Leitner in his book History of Indigenous Education in the Punjab Since Annexation and in 1882, he narrates that literacy rate in Punjab was cent percent before their (British) arrival. The British education policy destroyed the self-learning process in Punjab.

However British were appreciated by Punjabis' for creating jobs in armed forces, the Punjabi's proved their loyalty in serving British and in stabilizing their rule in Indiaduring 1857 war of independence

This article initiates further study of British rule in Punjab to determine how far Punjab gained from British rule and where they lost their own fine values based education. Only further and in-depth study can give true picture of this important factor.

---

* سینئر ریسرچ فیلو،قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت،مرکزِ فضیلت،قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد

برطانوی دور

ہندوستان میں یورپی اقوام پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں بسلسلہ تجارت آئیں۔ رفتہ رفتہ ان کی تجارتی کوٹھیاں جنوبی ہند کے مغربی اور مشرقی ساحلوں پر اور خلیج بنگال کی بندرگاھوں میں قائم ہو گئیں اور انہوں نے تجارت کے ساتھ ساتھ اپنی سیاست کا جال بھی پھیلانا شروع کیا۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت پر تیزی سے زوال آیا اور صوبوں میں افراتفری پھیلی تو مغربی اقوام میں ملک گیری کا حوصلہ پیدا ہوا۔ پرتگیزی تو اپنے تشدد اور بے تدبیری کے باعث جلد ہی یہاں سے نکل گئے ۔ ولندیزی بھی کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہ کر سکے۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں ایک عرصے تک آویزش جاری رہی، جس میں انگریز غالب آئے۔ شمال میں نجیب الدولہ اور حافظ رحمت خاں، جنوب میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان اور مشرق میں علی وردی اور سراج الدولہ وغیرہ نے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن انگریزوں کو بہتر اسلحہ، بہتر فوجی نظم، اعلیٰ درجے کی بحری طاقت اور ایک منظم اور مضبوط سلطنت کی سرپرستی اور متعدد مقامی ریاستوں کی تائید کی بدولت غیر معمولی فوقیت حاصل تھی ۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط میں پورا ملک انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔[۱]

محل و وقوع

سکھ عہد میں پنجاب حدود میں پشاور، ڈیرہ جات، ہزارہ، کشمیر، تبت، لدّاخ، جموں، کانگڑہ، منڈی، سکیت، کلّو، بہاولپور اور کوہ سلیمان تک کے علاقے شامل تھے۔ برطانوی دور آیا تو دہلی، حصار اور انبالہ ڈویژن کو بھی پنجاب میں شامل کر دیا گیا۔ پھر برطانوی حکومت نے ہی ۱۹۰۱ء میں شمال مغربی سرحدی صوبے کو پنجاب سے الگ کر دیا اور ۱۹۱۲ء میں دہلی کو بھی علیحدہ کر کے ایک نیا صوبہ بنا دیا۔[۲]

پنجاب کا الحاق

خالصہ افواج پر فتح پانے کے بعد لارڈ ڈلہوزی نے فیصلہ کیا کہ اب مہاراجہ دلیپ سنگھ کو معزول کر کے پنجاب کو انگریز کی عملداری میں لیا جائے۔ چنانچہ ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو لاہور میں ایک دربار منعقد ہوا۔ اس دربار میں کمسن مہاراجہ دلیپ سنگھ اور لارڈ ڈلہوزی برابر برابر تخت پر بیٹھے مہاراجہ نے پنجاب کے تخت و تاج سے اپنی دستبرداری کی علامت کے طور پر مشہور عالم کوہ نور ہیرا لارڈ ڈلہوزی کو پیش کیا، جو اُس وقت ملکہ برطانیہ کی نمائندگی کر رہا تھا۔ یہ رسم ادا کرنے کے بعد مہاراجہ کو تخت سے

اتار دیا گیا۔ اِس کے بعد ڈلہوزی نے ایک اعلان جاری کیا جس میں پنجاب برطانوی سلطنت میں ضم کرنے کے عمل کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی۔[۳]

پنجاب کا تاریخی پس منظر

سلطان محمود پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے پنجاب میں اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ یہ حکومت ۹۷۱ء-۱۰۳۰ء کے زمانے پر محیط ہے۔ شہاب الدین غوری نے ۱۱۸۶ء میں لاہور فتح کیا تو پنجاب کی حکومت غزنویوں کے ہاتھ سے نکل کر غوریوں کے قبضہ میں آگئی۔ یہ حصہ قطب الدین ایبک (۱۲۰۶ء) کے زمانے میں دہلی سلطنت کا حصہ بن گیا اور پھر مغلیہ دور کے زیر اثر آیا۔ مغل بادشاہ اکثر لاہور آتے اور طویل مدت یہاں قیام فرماتے۔ مغلوں کا دور تقریباً اٹھارویں صدی تک جاری رہا یہ خطہ تین جنگجوؤں کے درمیان تنازعہ بنا یہ تین تھے افغان، مرہٹے اور سکھ۔ مرہٹوں کی طاقت کو افغان جنرل احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے مقام پر ۱۷۶۱ء میں زیر کیا۔ محمد شاہ ابدالی کے انتقال کے بعد سکھوں کی طاقت نے سر اُٹھایا۔ رنجیت سنگھ (۱۷۸۰ء-۱۸۳۹ء) کی سربراہی میں اُس نے پنجاب کو ایک مضبوط اور خود مختار سکھ سلطنت میں تبدیل کیا۔ اُس کے انتقال کے بعد یہاں پر بدنظمی اور ابتری پھیل گئی اور سکھوں اور انگریزوں کے درمیان دو جنگیں ہوئیں۔[۴]

پس منظر

ایسٹ انڈیا کے نام سے قائم ہونے والی کمپنی سمندری راستے سے ہندوستان میں وارد ہوئی۔ یہ ایک تجارتی کمپنی تھی اور تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے۔ اس کے ابتدائی ٹھکانے بنگال، مدراس اور بمبئی تھے۔ پنجاب میں ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۹ء کے درمیانی عرصے میں سکھوں اور انگریزوں کے مابین لڑی جانے والی لڑائیوں کے نتیجے میں پنجاب ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہوا۔ ۲۱ فروری ۱۸۴۹ء کو گجرات میں سکھوں اور انگریزوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ فتح انگریزوں کو حاصل ہوئی اور یوں پورے کا پورا پنجاب انگریزوں کی دسترس میں آگیا۔ جس کی حدود افغان سرحد سے لے کر دہلی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ بعد ازاں ۱۹۰۱ء میں پانچ سرحدی اضلاع یعنی پشاور، بنوں، کوہاٹ، ہزارہ، اور ڈیرہ اسماعیل خان کو پنجاب سے جدا کر دیا گیا کیونکہ ۱۹۱۱ء میں انگریز حکومت نے اپنا دارالحکومت کلکتہ کے بجائے دہلی بنا دیا تھا۔ اس تمام تر علاقائی ردوبدل کے باوجود پنجاب انگلستان

سے اب بھی زیادہ وسیع رقبے کا حامل تھا یہاں پورے ہندوستان کی ۱۰ فیصد آبادی بستی تھی اس کے رقبے کا بھی ہندوستان کے کُل رقبے کے مقابلے میں تقریباً یہی تناسب تھا۔۵

پنجاب میں انگریزوں سے پہلے مسلمانوں کی حالت

پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ۱۷۵۶ء سے ۱۷۹۹ء تک بظاہر کابل کے ماتحت ایک صوبہ تھا۔ لیکن عملاً، یہاں سکھ گردی کے تحت خوف و دہشت کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ ۱۷۹۹ء سے ۱۸۴۹ء تک پچاس سال رنجیت سنگھ اور اُس کے جانشین حکمران رہے۔ پنجاب اور سرحد کے لیے یہ سکھا شاہی اگرچہ (سکھ گردی) کے مقابلہ میں یہ عافیت (سکھا شاہی) بھی جبرو استبداد ہی کی قدرے معتدل صورت تھی کیونکہ اِس میں نہ کوئی قانون تھا نہ ضابطہ، نہ داد تھی نہ فریاد بس ایک مسلح مذہبی گروہ کا راج تھا جو دوسروں کو عزت و آبرو سے جینے کا حق دینے کو تیار نہ تھا۔۶

سکھوں کے ساتھ الحاق کے بعد انگریزوں کا سلوک

الحاق پنجاب کے ساتھ ہی مہاراجہ دلیپ سنگھ کو تخت سے محروم اور اس کی تمام جائیداد، قیمتی جواہرات اور تاریخی نوادرات کو بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔اس کے لیے بشرط وفاداری پانچ لاکھ روپے سالانہ پنشن مقرر ہوئی۔نیز اسے کمپنی حُکام کی حفاظت میں فتح گڑھ منتقل کیا گیا اور تعلیم وتربیت کے لیے ڈاکٹر جان لوگن(John Login)اور والٹر گویئے (Walter Guise) کی تحویل میں دے دیا گیا۔انہی اتالیق کی وجہ سے اس نے کچھ عرصہ بعد عیسائیت قبول کر لی۔سکھوں کو بحیثیت قوم تباہ کرنے اور ان کی باقاعدہ حوصلہ شکنی کے لیے انگریزوں نے کئی اقدامات کئے۔انگریزوں کے خلاف جنگ میں شامل تمام سکھوں کی جائیدادیں ضبط اور انہیں ان کے علاقوں میں نظر بند یا صوبہ بدر کر دیا گیا۔علاوہ ازیں ان پر متعدد پابندیاں بھی عائد کر دی گئیں۔ان کی کُل تعداد کے دسویں حصے کو کمپنی ملازمت میں بھرتی کر کے پانچ رجمنٹیں اور اتنی ہی تعداد پیادہ کور(Corp) پر مشتمل پنجابی فورس قائم کر دی گئی۔ اِس فورس نے ۱۸۵۷ء میں محاصرہ دہلی کے دوران انگریزوں کو گراں قدر مدد فراہم کی۔۷

پنجابی فوج

انگریزوں کے زیر تسلط آنے کے بعد پنجاب ہندوستان کا ''بازوئے شمشیرزن'' بھی بن گیا۔ انیسویں صدی کے اختتامی ایام کے دوران بمبئی، مدراس اور بنگال جو کے پہلے فوجی بھرتی کے اہم

ترین مراکز تھے ان کی اس حیثیت سے قابل ذکر تبدیلی آ گئی کیونکہ اب ہندوستانی فوج کے لیے انگریزوں کی نظر انتخاب پنجاب پر آن کر ٹھہر گئی تھی۔ اس لیے جب جنگ عظیم اول شروع ہو گئی تو کُل ہندوستانی فوج نصف پنجابیوں پر مشتمل تھی۔[۸]

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ غیر معمولی حالات سے فائدہ اٹھا کر مائیکل اوڈوائر، جو کہ پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر تھا، نے قانونِ تحفظ ہند کی آڑ میں رائے عامہ کو بری طرح کچلا۔ فوجی بھرتی میں پنجاب کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔ ۱۹۱۸ء تک تقریباً سات لاکھ جوانوں کو فوج میں بھرتی کیا گیا۔ ان میں پنجابیوں کی تعداد تین لاکھ چالیس ہزار تھی۔ بھرتی کے لیے حکومت نے جو جابرانہ اور متشددانہ طرز عمل اختیار کیا اس کے باعث جابجا فسادات برپا ہوئے۔ جنہیں بڑی سختی سے کچلا گیا۔ اتحادیوں کے خلاف جنگ میں ترکی کے شریک ہو جانے سے مسلمان خاص طور پر جبر و تشدد کا نشانہ بنے، ان کے اخبار ضبط ہوئے اور رہنما جیل میں ڈال دیئے گئے۔[۹]

بڑے بڑے جاگیرداروں اور نوآبادیاتی حکومت کے درمیان یہ اشتراک اس لیے اور بھی متحرک ہوا جب پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں پنجاب نے اپنے آپ کو انگریزوں کا ''دست شمشیر'' ثابت کیا۔ اِس کی بنیاد اِس حقیقت پر تھی کہ دیہی اشراف کے طبقہ نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی مدد کی تھی۔ ہنری لارنس کا طبقہ فکر اِسی لیے انگریزوں کا حلقہ نیابت ان زمینداروں کو قرار دیتا ہے جو پنجاب کے دیہی باشندے ہیں اور اِن میں سکھ جاگیردار بھی شامل ہیں۔ نون، حیات اور ٹوانہ اِن خاندانوں میں شامل ہیں۔ جنہوں نے انگریزوں کے مشکل وقت میں ساتھ دیا، بعد میں انہیں انگریزوں نے حکومت میں حصہ دار بنا کر اِس وفاداری کا معاوضہ دیا۔[۱۰]

زرعی اصلاحات

یوں تو پنجاب برصغیر کی کُل آبادی اور رقبے کا دسواں حصہ تھا۔ لیکن زرعی آبادی رقبے کے تناسب سے کہیں بڑھ کر تھی۔ یہاں انگریز حکومت نے دُنیا کا عظیم ترین نہری نظام قائم کیا۔ جس سے ۲۶ ملین ایکڑ اراضی سیراب ہوئی، جو بے آب وگیاہ تھی۔ اس طرح برصغیر کے زرعی اعتبار سے کمزور ترین اس خطے کو پورے ہندوستان کا اناج گھر (Granary) بنا دیا گیا۔ چنانچہ بیسویں صدی کی دوسری دہائی تک پورے ہندوستان میں گندم کی کُل پیداوار کا ایک تہائی حصہ صرف پنجاب سے مہیا ہونے لگا۔[۱۱]

نہری نظام

یہ پانچ دریاؤں کی سر زمین ہے، دریائے سندھ کے پانچ مغربی معاون یعنی دریائے جہلم، دریائے چناب، دریائے راوی، دریائے بیاس اور دریائے ستلج سے پنجاب سیراب ہوتا ہے اور پنجاب کا سارا میدان نہایت زرخیز دریائی مٹی سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ مٹی یہاں پر بہنے والے دریا اِس پر ہر سال بچھاتے رہتے ہیں۔ وہ حصے جو دو دریاؤں کے درمیان کے علاقے ہیں، اور اپنی آس پاس کی زمین کی سطح سے نسبتاً اُبھرے ہوئے ہیں دو آبے کہلاتے ہیں۔ مختلف دریاؤں کے درمیان ان کو مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ جیسے کہ دریائے جہلم اور چناب کے درمیان ''چج دوآب'' کہلاتا ہے۔ دریائے چناب اور دریائے راوی کے درمیان ''رچنا دوآب'' اور دریائے راوی اور دریائے ستلج کے درمیان ''باری دوآب'' دریائے جہلم اور دریائے سندھ کے درمیان '' سندھ ساگر دوآب'' واقع ہے۔ پنجاب کا میدان اپنے بہترین نہری نظام کی وجہ سے بھی دنیا بھر میں مشہور ہے۔[۱۲]

قانون انتقال اراضی(Land Alienation Act)

اِس قانون کی رُو سے پنجاب کے ہر ضلع کی آبادی زراعت پیشہ حصوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی تھی۔ سر مائیکل اوڈائر پہلا شخص تھا جس نے حد درجہ ہوشیاری اور چالاکی سے پنجاب کے دیہاتی مسلمانوں کو شہری مسلمانوں کا حریف بنا کر اس صوبے میں مسلمانوں کی قومی وحدت کو سخت نقصان پہنچایا۔

پنجاب میں اس قانون کے نفاذ کے بعد شہری اور دیہاتی طبقوں میں ہر قسم کا بغض پیدا ہوا۔ دیہاتی سمجھتے تھے کہ صوبوں کے ٹیکس میں شہریوں کی ادائیگی کی نسبت کم تھی لیکن وہ زیادہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ شہری مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ ایک طرف تو وہ قانونِ انتقال اراضی کی پابندیوں کی وجہ سے زمینداری نہیں کر سکتے، دوسری طرف صنعت و حرفت، تجارت و کاروبار پر ہندو ساہوکاروں اور بنیوں کا قبضہ تھا، اس لیے لے دے کر ان کی معاش کا دارومدار اب سرکاری ملازمتوں پر رہ گیا ہے۔ اب ملازمتوں کے بٹوارے میں بھی دیہی و شہری کوٹے کی تقسیم نے زراعت و غیر زراعت پیشہ زمیندار و غیر زمیندار کا سوال اُٹھا۔ پھر روزگار کے مواقع محدود کیے جا رہے تھے۔ مندرجہ بالا نکات سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۵۰ء کے بعد ہنری لارنس نے مغلوں کے متعارف کردہ دیرینہ نظام اراضی میں جو بنیادی تبدیلیاں کیں تھی اس سے مسلمان کاشت کار قرضے اور معاشی ذلت کی کھائی میں جا گرے۔ ساہوکار کو

قانونی تحفظ کی فراہمی کے بعد مسلمانوں کی مجموعی طاقت میں کمی ہوئی اور ہندو ساہوکاروں کی ایسی متوسط کلاس سامنے آئی جو انگریزوں کی سیاسی معیشت کے میدان میں حریف ثابت ہوئی۔ ان کے صنعت و حرفت اور کاروبار تھے۔ بمبئی، مدراس اور کلکتہ میں یہی لوگ خالص سرمایہ کاری کے عمل سے تعلق رکھتے تھے۔

پنجاب میں ۱۸۵۰ء کے بعد ۱۹۰۰ء کے انتقال اراضی ایکٹ تک پنجاب کی معیشت پر ان ہندو ساہوکاروں کا قبضہ رہا۔ اِس انتقال اراضی ایکٹ کے نفاذ سے پنجاب میں دو بڑی تبدیلیاں ہوئیں۔

۱- انگریزوں اور جاگیرداروں کا الحاق عمل میں آیا

۲- فرقہ وارانہ عدم آہنگی نے اپنے پنجے جمائے[۱۳]

پنجاب کی سیاست ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۵ء

۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۵ء کے درمیان پنجاب کی سیاست نے ایک خصوصی نوعیت کی سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں کے لوگ نہ صرف آزادی کے مفہوم کو سمجھنے لگے تھے بلکہ وہ حصول آزادی کے لیے سرگرداں ہونے کے سلسلے میں اپنی راہیں بھی متعین کر رہے تھے۔[۱۴]

نظم ونسق

نظم ونسق کے لحاظ سے پنجاب دو حصوں میں منقسم تھا برطانوی قلمرو اور دیسی ریاستیں برطانوی علاقے کا رقبہ ۹۹۲۶۵ مربع میل تھا اور ریاستوں کا رقبہ ۳۷۶۹۹ مربع میل۔ دجانہ، پٹودی، کلیسر اور شملہ پہاڑی کی ستائیس ریاستوں میں سیاسی امور کی انجام دہی پنجاب گورنمنٹ کرتی تھی ۔ بقیہ ریاستیں لوھارو، سرمور، بلاسپور، منڈی، سکیت، کپورتھلہ، مالیر کوٹلہ، فرید کوٹ، چمبہ، بہاولپور اور پھلکیاں ریاستیں (یعنی پٹیالہ، جیند اور نابھہ) براہ راست سرکار ہند کے ماتحت تھیں۔[۱۵]

۱۸۴۹ء میں سکھ حکومت کا خاتمہ ہوا تو پنجاب کے مسلمانوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ سکھوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ انہوں نے اذان دینے اور با جماعت نماز ادا کرنے کی بھی اجازت نہیں تھی اور ان کی مسجدیں اصطبل اور بارود خانے بن چکی تھیں۔ تاہم انگریز کی عملداری قائم ہونے کے بعد بھی عرصے تک مسلمانوں کی حالت نہ سدھر سکی۔ قبائلی علاقوں میں مجاہدین کی سرگرمیوں کے باعث انگریز ان سے سخت بدگمان تھے۔ چنانچہ مدت تک اُن پر سرکاری ملازمت کے دروازے بند رہے۔[۱۶]

انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں نظم و نسق کے قیام اور امن و امان کی بحالی پر خصوصی توجہ مبذول کی اور یہی اس وقت اس خطے کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ ان قلعوں اور گڑھیوں کو مسمار کر دیا گیا، جو سکھوں نے جگہ جگہ اپنی کمین گاہوں کے طور پر بنا رکھی تھیں۔ صرف وہ قلعے باقی رہنے دیئے گئے جو دفاعی لحاظ سے کمپنی کی سپاہ کے لیے ضروری تھے۔ لوگوں سے ہتھیار لے لئے گئے اور آئندہ اسلحہ رکھنے کے لیے اجازت نامہ (لائسنس) ضروری قرار دیا گیا۔[۱۷]

معاشرتی اصلاح

معاشرتی اصلاح کے لیے بھی کچھ کارروائیاں ہوئیں یہ ۱۸۴۹ء تا ۱۸۵۷ء کا عرصہ ہے۔ مثلاً جالندھر ڈویژن اور صوبہ کے بعض دوسرے علاقوں میں بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی ہلاک کر دینے کی ظالمانہ رسم کے انسداد کے لیے وسیع پیانہ پر مہم چلائی گئی تھی۔ یہ رسم زیادہ تر سکھوں میں بیدیوں کے ایک فرقہ میں پائی جاتی تھی جنہیں ''کڑی مار'' کہا جاتا تھا، لیکن صوبہ کے ہندو اور مسلمان بھی اِس وحشیانہ رسم سے مبرّا نہیں تھے۔ چنانچہ اِس کے مکمل انسداد کے لیے چھ سال کا عرصہ لگا تھا۔[۱۸]

آئینی اصلاحات

۱۹۱۳ء میں سرمائیکل اوڈوائر کا تقرر بطور لیفٹیننٹ گورنر ہوا۔ وہ مقامی باشندوں کو آئینی اصلاحات دینے کا سخت مخالف تھا۔ اپنے چھ سالہ دور میں اس نے کسی قومی اور سیاسی تحریک کو سر نہ اُٹھانے دیا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے پنجاب کی دیہی آبادی کی کثرت اور جہالت سے فائدہ اُٹھا کر اسے نہ صرف شہری آبادی کا حریف بنانے کی کوشش کی بلکہ ''ہوم رول'' کی تحریک چلی تو اِس نے جاگیرداروں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا اور ان سے بار بار یہ اعلان کرایا کہ پنجاب بالکل مطمئن اور خوشحال ہے اور اِسے شورش پسند شہری سیاستدانوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ دیہی اور شہری باشندوں میں اِس نے تفرقے کا جو بیج بویا تھا وہ آگے چل کر خوب رنگ لایا اور پنجابی مسلمانوں نے متحد و منظّم ہونے کے بجائے اپنی برادریوں کی تنظیمیں قائم کر لیں۔ یہ جماعت بندی آج تک پنجاب کی معاشرتی زندگی کو متاثر کر رہی ہے۔[۱۹]

قانونی اصلاحات

۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کے تحت کانگریس اور مسلم لیگ میں سیاسی اصلاحات کے بارے میں

سمجھوتا ہوا۔ اس سے پنجاب کے مسلمان یوں متاثر ہوئے کہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو مزید تحفظات دینے کی خاطر انہیں اسمبلی میں اپنی ۵۵ فی صد اکثریت سے دستبردار ہو کر پچاس فیصد پر قناعت کرنا پڑی۔ ۱۹۱۸ء میں جنگ ہوگئی اور اسی سال ہندوستان اراکین کی مخالفت کے باوجود ہندوستان کی مجلس قانون ساز نے رولٹ ایکٹ منظور کر لیا، جس کے خلاف عوام میں اتنا جوش و ہیجان برپا ہوا کہ ۱۹۱۹ء میں جب برطانوی پارلیمنٹ میں مانٹیگو چیمسفورڈ تجاویز کی بنیاد پر جدید اصلاحات کا قانون منظور ہوا تو مقتدر سیاسی جماعتوں نے اُسے مسترد کر دیا۔

مارچ ۱۹۱۹ء میں گاندھی جی نے ستیا گرہ کا اعلان کر دیا۔ اسی سلسلے میں ۱۳؍ اپریل کو امرتسر میں جلیانوالہ باغ کا خونی سانحہ پیش آیا۔ نہتے شہریوں پر فوج کی بے تحاشا فائرنگ کے بعد پنجاب کے متعدد اضلاع میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور عوام پر ایسے مظالم ڈھائے گئے جن کی مثال ۱۸۵۷ء کے بعد دیکھنے میں نہ آئی تھی۔[۲۰]

تعلیم و تدریس

تعلیم و تدریس کے میدان سے مسلمانوں کو بے دخل کر دیا گیا۔ تجارت اور صنعت پہلے سے ہی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ زراعت پیشہ مسلمانوں کا بال بال ہندو مہاجنوں کے قرض میں بندھا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثریت میں ہونے کے باوجود وہ زندگی کے کسی شعبے میں بھی اپنی آواز نہ اٹھا سکتے تھے۔[۲۱]

پنجاب میں تعلیم

انگریز کی آمد سے قبل پنجاب میں تعلیم عام تھی۔ مسٹر منٹگمری کمشنر لاہور ڈویژن نے ۱۸۵۰ء میں اندازہ لگایا تھا کہ اساتذہ کو ایک روپیہ، دو روپے سے لے کر آٹھ روپے ماہوار شرح سے معاوضہ ملتا تھا۔ کمشنر مذکور کے سروے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اصحاب بطور خدمت بلا معاوضہ درس و تدریس کی خدمت بجا لاتے تھے۔ اِن معلومات کا چرچا عام تھا۔ پنجاب پر کمپنی کی حکومت قائم ہونے سے تقریباً ایک سال قبل ۱۸۴۸ء کی تعلیمی رپورٹ کا حسب ذیل فقرہ قابل غور ہے:

> زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ طبقہ میں تعلیم حاصل کرنے کا جوش ہے۔ پنجاب کے مسلمانوں کی اکثریت زراعت پیشہ تھی اور آج بھی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے مدرسوں میں ہندو اور مسلمان بعض مضامین علیحدہ علیحدہ پڑھتے تھے۔ اِن مدرسوں میں مذہب، فقہ، فلسفہ، علم ہیئت، علمِ سیارگان اور طب یونانی کی تعلیم دی جاتی تھی۔[۲۲]

پنجاب کے پہلے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن مسٹر ڈبلیو-ڈی آرنلڈ کی رپورٹ بابت ۵۶-۱۸۵۷ء سے پتہ چلتا ہے کہ پنجابیوں کے لیے تعلیم کا خیال کچھ نیا نہیں تھا اور یہ کہ انگریزوں کو جملہ اسکول تیار شدہ مل گئے۔ ان میں اکثر خاص طور پر مسلمانوں نے مہیا کیے تھے۔ بحیثیت معلم تعلیمی میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا اور بچوں کی اکثریت بھی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔۲۳

تقریباً۵ سال بعد ۱۸۵۴ء ایک درجن گورنمنٹ اسکول امرتسر، راولپنڈی اور گجرات میں قائم کئے گئے۔ ایک اسکول برائے سول انجینئرنگ لدھیانہ، انبالہ، کانگڑہ اور کوٹ گڑھ میں مشنری اسکول کو سہارا دیا گیا۔ ان مشنری اسکولوں میں سے بعض ادغامِ پنجاب سے قبل کے قائم شدہ تھے۔۲۴

پنجاب میں سکھ دور میں تعلیمی میدان میں کوئی قابلِ ذکر ترقی نہیں ہوئی۔ اِس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ دور افراتفری کا شکار رہا۔ خوش قسمتی سے اُس وقت گورمکھی صرف عام بول چال کی حد تک محدود تھی۔ اِس لیے سکھ فارسی کو دفتری اور درباری کی حیثیت سے برقرار رکھنے پر مجبور ہو گئے۔

مسلمانوں کی تعلیم میں ایک بات جو سب جگہ یکساں پائی جاتی تھی وہ اخلاقی اور مذہبی تعلیم کی تھی۔ اِن سکولوں میں حساب کتاب کے علاوہ ''گلستان''،''بوستان'' وغیرہ بڑی دلچسپی سے پڑھائی جاتی۔ اِن سکولوں میں ہندو طالب علم بے تکلفی سے داخلہ لیتے تھے۔ جب انگریزی دور آیا تو ایسے فارسی اسکولوں کو اول درجہ کا اسکول قرار دیا گیا۔ فارسی مکتب و مدرسے عموماً مسجدوں، مندروں اور دھرم شالاؤں میں قائم تھے۔ وقف جائیدادوں سے ان کا خرچ چلایا جاتا تھا۔ ان مکتبوں کے علاوہ بعض کھاتے پیتے لوگوں نے اپنی اپنی ڈیوڑھیوں میں مدرسہ قائم کر رکھے تھے۔ جن میں صاحب خانہ کے بچوں کے علاوہ محلّہ و علاقے کے غریب بھی شانہ بشانہ تکمیل علم کرتے تھے۔۲۵

وقف جائیدادیں کچھ سکھوں کے زمانے میں تباہ ہوئیں۔ باقی انگریزوں نے بڑی بیدردی کے ساتھ ضبط کر لیں۔۲۶

بعض مکتب اور مدرسے اہل اللہ نے اپنی اپنی جھونپڑیوں میں قائم کر رکھے تھے۔ یہ بزرگ مفت تعلیم دیتے تھے۔ مسٹر آرنلڈ نے اِس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ایسے اشخاص کی کثیر تعداد پنجاب میں موجود ہے''۔۲۷

مشنریوں کا غلبہ

پنجاب پر انگریزوں کے قبضہ سے پہلے ہی مشنریوں کا عمل دخل شروع ہو چکا تھا۔ ان کا ایک اسکول شملہ پہاڑی مقام پر ۱۸۴۱ء میں قائم ہوا تھا، دوسرا اسکول لاہور میں ۱۸۴۹ء میں قائم ہوا۔ پھر لدھیانہ، امرتسر اور راولپنڈی میں چند ثانوی اسکول بھی تھے۔ گورنمنٹ پنجاب شروع ہی سے پادریوں کی پالیسی پر عمل پیرا تھی۔۲۸

زنانہ تعلیم

زنانہ تعلیم کے معاملہ میں اِن مشنریوں کی سرگرمیاں سرکاری اداروں سے کہیں زیادہ تیز تھیں۔ انہوں نے پہلا زنانہ اسکول ۱۸۳۶ء میں بمقام لدھیانہ قائم کیا۔ چرچ یتیم ۱۸۵۳ء میں وجود میں آیا۔۲۹

ذریعہ تعلیم

انگریزوں نے مسلمانوں کے اقتدار کی نشانی فارسی سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے اولاً اُردو اور اِس کے بعد علاقائی زبانوں کو پڑھانا شروع کیا۔۳۰

برطانوی دور اور اُس سے پہلے جو اسکول کھلے وہ انگریزی زبان میں تعلیم دے رہے تھے۔ مسلمان عربی اور فارسی کے علاوہ کچھ پڑھنے کو تیار نہ تھے، وہ سمجھتے تھے انگریزی زبان اُن کے عقائد کو متزلزل کر دے گی۔ ہندو اِن کے مقابلے میں خوب شوق و ذوق سے گورنمنٹ سکولوں سے استفادہ حاصل کرتے رہے اور اِس بل بوتے پر اعلیٰ نوکریوں پر فائز ہوئے اور مسلمان وقتِ رفتاں کو یاد کرتے ہی رہ گئے۔۳۱

تعلیمی رپورٹ

انگریزی حکومت کے تینتیس (۳۳) سالہ دور میں (۱۸۴۹ء-۸۶) ہندو مسلمانوں اور سکھوں کا تعلیمی تناسب پرائمری تعلیم میں حسب ذیل تھا۔

نام قوم	تعداد طلباء		کُل تعداد طلباء	آبادی کا فیصد
	انگریزی زبان	دیسی زبان		
ہندو	۱۴۰۶۶	۳۲۸۴۷	۴۶۹۱۳	۶۶ فی صد

مسلمان	۶۹۴۷	۳۶۰۳۵	۳۲۹۷۳	۳۱ فی صد
سکھ	۱۳۷۷	۵۷۸۲	۷۱۵۹	۶۳ فی صد

مندرجہ بالا گوشوارہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود ہندوؤں کے مقابلہ میں تقریباً ۲:۱ کی نسبت سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

اپر سب آرڈینیٹ کلاس کے امتحان، جس میں انگریزی دانی بھی ضروری تھی، میں مسلمانوں کا حال انتہائی خراب تھا۔ ۱۸۴۸ء-۱۸۷۶ء کے طویل عرصے میں کُل ۷۰۷ طلباء نے امتحان پاس کیے جن میں صرف ۱۱ مسلمان تھے۔[۳۲]

پنجاب پبلک لائبریری کا قیام

۳۱ دسمبر ۱۸۸۵ء کو سر چارلس ایچی سن نے پنجاب پبلک لائبریری کا افتتاح کیا، وہ اس کے بانی تھے۔[۳۳]

پنجاب پبلک سروس کمیشن

دسمبر ۱۸۸۶ء کے وسط میں سرچارلس ایچی سن کی زیر صدارت لاہور میں پنجاب پبلک سروس کمیشن کا اجلاس ہوا، جس کے تحت ہندوستان کے مقامی باشندوں کو متحدہ سول سروس کے لیے مخصوص آسامیوں پر ملازم رکھا جانا چاہیے تھا۔[۳۴]

پنجاب چیف کالج

لاہور میں ایچی سن کی طرز کا پنجاب چیف کالج قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد فرمارواؤں، سرداروں، خطاب دار اور دیگر نمایاں شرفاء کے بیٹوں اور محکمہ سرپرست نابالغان کے بچوں کو تعلیم دینا تھا۔ لہٰذا انبالہ کے مدرسہ نابالغان کو نئے ادارے میں شامل کر دیا گیا۔[۳۵]

ویٹرنری سکول، لاہور

گھوڑوں کی نسل کشی کی ترقی اور اِس مضمون میں تعلیم دینے کے لئے مئی ۱۸۸۶ء میں لاہور میں ایک ویٹرنری سکول قائم کیا گیا۔ اس میں متعلقہ شعبے سے متعلق مختلف مضامین پڑھائے جاتے تا کہ جانوروں کا ہر ممکن علاج کر سکیں۔[۳۶]

کالج کی تعلیم

۱۸۶۴ء میں دہلی اور لاہور میں گورنمنٹ کالجوں کا قیام عمل میں آیا۔ دہلی کالج ۱۸۷۷ء میں بند کر دیا گیا۔ البتہ اورینٹل کالج ورنا کیولر پنجاب یونیوسٹی کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا رہا۔ اس کالج کے اخراجات کالج فنڈ سے پورے کئے جاتے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں طلباء کی تعداد ۱۰۲ تھی، جس میں مسلمان صرف ۱۳ تھے۔ ۳۷

فی صد آبادی			
نام قوم	پرائمری	ہائی اسکول	کالج
ہندو	٦٦	۵۱	۱۰۱...ء
سکھ	٦۳	۵۴	۴۴...ء
مسلمان	۳۱	۱۷	۱۲...ء

مندرجہ بالا نقشہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور سکھوں نے مہیا کردہ سہولتوں سے خوب فائدہ اٹھایا، لیکن مسلمان اِن تینوں میدانوں میں خسارے میں رہے۔ ۳۸

پنجاب میں تعلیم

تعلیمی ہند، مرتبہ اراکین مجلس قاسم المعارف، دیوبند ، دہلی ۱۳۵۳ھ، ۱۹۲۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق صوبہ پنجاب و سرحد کی تعلیمی حالت فی ہزار

صوبہ	ہندو		مسلمان	
	مرد	عورت	مرد	عورت
سرحد	۲۴۶	۹٦	۳۳	۲
پنجاب	۱۱۳	۱۱	۳۷	۴

انگریز کے ہندوستان میں وارد ہونے سے پہلے ہندوستان کا عام شہری اپنی مادری (علاقائی زبان) زبان کے علاوہ عربی، فارسی اور حساب میں مشاق تھا۔ دفتری زبان فارسی تھی۔ کسی قوم کی ترقی میں تعلیم بنیادی عنصر کا کردار ادا کرتی ہے۔ انگریز کی آمد سے پہلے ایک عام ہندوستانی علم کے زیور سے آراستہ تھا۔ انگریز نے یہاں آ کر تعلیم کا نظام بدل دیا۔ عربی، فارسی پڑھنے بولنے والے انگریزی

سے ناواقفیت کی وجہ سے معاشرہ میں اپنا مقام کھو بیٹھے اور جنہوں نے وقت اور بدلتے حالات کا ساتھ دیا وہ اعلیٰ اور حکومتی مشینری کا حصہ بن گئے اور معاشرہ میں بہتر مقام پر پہنچ گئے۔ کسی انسان کو تعلیم سے محروم رکھنا انسانیت کے گلے پر چھری پھیرنا ہے۔[۳۹]

ریلوے کا نظام

انگریز نے پنجاب پر قبضے کے بعد اِس کو ایک مثالی صوبہ بنانے کی کوشش کی۔ ذریعہ آمدورفت بہتر کرنے کے لئے اُن کا ایک اہم کام ریلوے لائن بچھانا تھا، جو امرتسر سے ملتان تک کا فاصلہ طے کرتی تھی۔ یہ کارہائے نمایاں ۸ فروری ۱۸۵۹ء میں انجام پایا۔[۴۰]

جب پنجاب میں کنال کالونیاں وجود میں آگئیں اور اجناس خوردونوش میں بے پناہ اضافہ ہوا تو پنجاب سے کراچی تک ریلوے لائن نصب کی گئیں تا کہ اجناس اور خام مال کی ترسیل میں سہولت ہو۔[۴۱]

یکم جنوری ۱۸۵۹ء سے پنجاب اور اِس کی ریاستوں میں لیفٹیننٹ گورنر کے عہدہ کو قائم کیا گیا۔ سر جان لارس جو ابھی تک چیف کمشنر کے منصب پر فائز تھے اور اِس کے ساتھ انگریزوں کے تعلق کے آغاز سے خفیہ طور پر اس کی سیاست سے وابستہ چلے آ رہے تھے، انہیں اِس کا پہلا لیفٹیننٹ گورنر مقرر کیا گیا۔ ۸ فروری ۱۸۵۹ء کو امرتسر سے ملتان تک کے لیے پنجاب ریلوے کے سنگ بنیاد رکھنے کی رسم اس کے پہلے لیفٹیننٹ گورنر نے ادا کی۔ وہ کافی عرصے سے اس کی تعمیر کی وکالت کرتے چلے آئے تھے۔[۴۲]

ضلع منٹگمری کا قیام

جب لاہور اور ملتان کے درمیان ریلوے لائن زیرتعمیر تھی تو یہ مناسب خیال کیا گیا کہ ضلع گوگیرہ کے صدر مقام کو لائن پر کسی ایسے مقام پر منتقل کر دیا جائے جو گوگیرہ سے کسی غیر مناسب جگہ پر واقع نہ ہو۔ ضلع کے صدر مقام کے لیے منتخب شدہ مقام کے ساتھ ضلع کو بھی لیفٹیننٹ گورنر کے نام کی نسبت سے منٹگمری کا نام دے دیا گیا۔[۴۳]

تعمیرات سرکاری، ریلوے سرکاری، انڈس دہلی اور قندھار سٹیٹ ریلوے بر مال کی آمد رفت خاطر خواہ تھی۔ حالانکہ جنگی کاروائی اب بند ہو گئی تھی اور اس باعث سے گودام صیغہ جنگی کا بیجنا بھی کم ہو گیا تھا۔ غلہ وغیرہ کی ترسیل کے لیے خاص اجازت دی گئی۔ پنجاب ناردن سٹیٹ ریلوے کی سڑک

کلاں اٹک تک تیار کی گئی اور ریلوے شاخ تا کان نمک تیار ہوئی۔ ریلوے لین مابین راولپنڈی وکوہ مری کے واسطے ایک کمپنی قائم ہوئی اور اس کی پیمائش ہو کر یہ رائے دے گی۔ امرتسر سے پٹھان کوٹ تک ریلوے کی تعمیر کے لیے سال رواں میں منظوری آ گئی تھی اور سر رابرٹ ایجرٹن صاحب بہادر نے مارچ ۱۸۸۶ء میں تعمیر شروع کروائی۔ اس لین کی تعمیر کے لیے حکومت ہند نے ادائیگی کی۔ اس کے علاوہ انبالہ فیروز پور کے واسطے بھی منظوری دی گئی۔[۴۴]

پنجاب اور قانونی اصلاحات

۱۸۹۸ء میں پنجاب میں مجلس قانون ساز قائم ہوئی تو اِس میں مسلمانوں کو بہت کم نمائندگی دی گئی۔ ۱۹۰۹ء میں جداگانہ انتخابات کا طریق رائج ہوا تو بھی کچھ زیادہ فرق نہ پڑا کیونکہ خالص مسلمان نشستوں پر اقلیت کا منتخب ہونا ناممکن تھا۔ در اصل ہندوؤں اور سکھوں کا مسلمانوں کے خلاف ایک خاموش سمجھوتہ ہو چکا تھا، جس کی رو سے وہ کسی نمائندہ ادارے میں مسلمانوں کی اکثریت قائم نہیں ہونے دیتے تھے۔[۴۵]

پنجاب اور مزاحمت تحریک

پنجاب میں جہاں چند خاندان انگریزوں کے آلہ کار بنے، وہاں ایسے ان گنت لوگ بھی تھے جو انگریزوں کے خلاف سینہ سپر رہے۔

یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ برصغیر میں انگریزوں کا تسلط سب سے آخر میں جا کر پنجاب میں ہوا۔ پنجاب نے ایک سو سال سے کم عرصہ غلامی کا طوق پہنا، جب کہ بنگال سمیت برصغیر کے کئی دوسرے صوبوں نے دو دو سو سال غلامی میں کاٹے۔ چنانچہ لاہور کے شاہی قلعے پر انگریز راج قائم ہونے کی تاریخ ۱۸۴۹ء درج ہے۔ موجودہ پاکستان کے دوسرے صوبوں پر بھی پنجاب سے پہلے قبضہ ہو گیا تھا۔ سندھ ۱۸۴۳ء اور بلوچستان ۱۸۴۰ء میں انگریزوں کے تسلط میں آیا تھا۔ جہاں تک صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) کا تعلق ہے، یاد رہے یہ ۱۸۴۹ء میں پنجاب ہی کا حصہ تھا، جس کی سرحدیں کابل تک پھیلی ہوئی تھیں۔

پنجاب نے ہمیشہ مزاحمت کی روش اور روایت قائم رکھی۔ جلیانوالہ باغ کا قتل عام ہو یا بھگت سنگھ اور اس کے انقلابی ساتھیوں کی پھانسیاں، مجلس احرار اسلام کی جانبازیاں ہوں، خاکساروں کی شہادتیں ہوں یا تحریک پاکستان کی گرفتاریاں، پنجاب نے صف اول میں اپنی خدمات پیش کیں۔

کوکالہر، جٹا پگڑی سنبھال، بھرتی بند تحریک، ریشمی رومال تحریک، غدر پارٹی، انٹی رولٹ ایکٹ تحریک، تحریکِ خلافت، گوردوارہ سدھار تحریک، ہجرت تحریک، نہ مل ورتن تحریک، نوجوان بھارت سبھا، انڈین سوشلسٹ ری پبلکن آرمی، نیلی پوش تحریک، حریت کشمیر، یہ سب نام ظلم اور جبر کے خلاف پنجاب کی مزاحمت سے عبارت ہیں۔[۴۶]

پنجاب سے متعلق سرسید کی رائے

پنجاب میں صوبائی حکومت ہی انتظامیہ کسی قانون، ضابطے اور قاعدے کی پابند نہیں تھی۔ اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ اِس سرحدی صوبہ میں ہر قیمت امن و امان قائم رکھا جائے اور کچھ اس طرح کا نظام اراضی رائج کیا جائے کہ کسانوں میں کوئی بے چینی نہ پھیلنے پائے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی صوبہ شمال(یو پی) سے نکال کر صوبہ پنجاب کے ساتھ ملحق کیا گیا۔ سرسید نے دہلی کی سکونت فوراً ترک کر دی اور اپنے تمام بڑے بڑے کاموں کا مرکز علی گڑھ کو قرار دیا۔ یہاں تک کہ ۱۸۶۶ء میں جب سر ڈونلڈ مکلوڈ Donald Maclod لیفٹیننٹ گورنر صوبہ پنجاب نے دہلی میں دربار کیا جس میں سرسید کو بھی علی گڑھ سے بلایا گیا تھا، تو سرسید سے پرائیویٹ ملاقات کے وقت ڈونلڈ نے شکایت کی کہ آپ نے سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ میں جا کر قائم کی، اپنے قدیم وطن دہلی کو اس کے فوائد سے محروم رکھا۔ سرسید نے کہا کہ میں پنجاب گورنمنٹ کو، جیسی کہ وہ اب ہے، ڈسپاٹک گورنمنٹ کا نمونہ سمجھتا ہوں اور اِس لیے جبکہ قسمتِ دہلی پنجاب میں شامل ہوگئی میں دہلی میں رہنا پسند نہیں کرتا۔

ایک دفعہ سرسید کے سامنے پنجاب کی اچھائی برائی کا ذکر آ گیا، انہوں نے کہا کہ پنجاب میں ایک ڈسپاٹک گورنمنٹ ہے اور بلا شبہ سکھوں کی عملداری سے ہزار درجہ بہتر ہے لیکن شاید پنجاب کے لوگ اس سے خوش ہوں کیونکہ اُن کو آگ (یعنی سکھوں کی عملداری) سے نکال کر دھوپ میں بٹھا دیا گیا ہے مگر ہم لوگ اس کو پسند نہیں کرتے کہ دہلی اور اس کے متعلقہ اضلاع میں پنجابی انتظام کیا گیا اور بے قانونی ملک بنا دیا گیا۔[۴۷]

لاہور میں آج بھی اورینٹل کالج موجود ہے۔ آج بھی بہت سے مسلمان اِس میں تعلیم پاتے ہیں اور مولوی عالم اور مولوی فاضل کی ڈگریاں لے کر نکلتے ہیں۔ آج دیکھ لیا جائے کہ وہ کہاں تک قوم کے لیے مفید ہیں اور کس قدر وہ اپنی ذات اور خاندان کے لیے مفید ثابت ہوئے اور ان کی

ڈگریوں سے اسلام کو کیا نفع پہنچ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سر سید نے پنجاب یونیورسٹی کی مخالفت کی تھی۔ سرسید کی غرض یہ تھی کہ ترقی ہو اور اُن کے خیال میں وہ ترقی جدید مغربی تعلیم میں مضمر ہے۔

نواب عماد الملک کے مطابق انگریز ماہرِتعلیم ڈاکٹر لیٹز اُن کے گھر دو مہینے مہمان رہا اور وہ اُس کے خیالات سے خوب اچھی طرح واقف ہوئے۔ اِن کا منشا یہ تھا کہ ہندوستان کو اعلیٰ انگریزی تعلیم نہ دی جائے۔ کیونکہ ہندوستانی انگریزی پڑھ کر نہ صرف انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہیں بلکہ انگریزوں سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں، لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ ہندوستانی عربی، فارسی اور اُردو پڑھیں۔[۴۸]

اختتامیہ

انسانی تاریخ کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ ہر فاتح اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور مفتوح کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اُس کے طور طریقے اپنائے۔ انگریز یہاں آئے تو انہوں نے اپنا نظام ہندوستان میں رائج کیا۔ جنہوں نے اُسے اپنایا وہ اُس وقت کی معاشرت میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوئے اور جو نئے نظام سے خائف ہوئے وہ کہیں پیچھے رہ گئے۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ وقت بہت ظالم ہے۔ ہر قوم، ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ کمربستہ رہے۔ نئی سوچ، نئی راہوں کو اپنانے میں پس و پیش نہ کریں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ خندہ پیشانی سے قدم ملا کر چلے۔ سرسید بھی مسلمانانِ ہند سے صرف اتنا ہی چاہتے تھے کہ وہ جدید علم سے آراستہ ہوں اور آنے والے وقت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہیں۔ یہ بات ہر دور اور ہر قوم پر لاگو ہوتی ہے کہ وہ اپنے افراد کی نشو و نما جدید دور کے تقاضوں پر استوار کرے اور آنے والی نسلوں کے لیے ہر وقت کوشاں رہیں کہ اُن کی راہیں روشن اور پُر اُمید ہوں۔

پنجاب کے لوگوں نے انگریزوں کا بھرپور انداز میں ساتھ دیا اور انگریزوں نے یہاں بہت سی اصلاحات بھی کیں، جس سے یہاں کے لوگوں کی زندگی میں مثبت تبدیلی آئی۔ اُن کا رہن سہن بہتر ہو گیا، کیونکہ انگریز پنجاب سے فوج کے لیے نوجوانوں کو بھرتی کرتے تھے اور یہاں کے لوگ لڑنے اور ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار تھے۔ اِس خصوصیت کا فاتح اقوام نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ابھی بھی اٹھا رہے ہیں کہ یہاں کے نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے تقریباً ۵۵۷ افراد جنگ میں لقمۂ اجل بنے اور مقامی لوگوں کی تعداد کے بارے میں صرف اَن گنت کا

لفظ کافی سمجھا جاتا رہا ہے۔ موجودہ دور میں بھی یہی صورت حال ہے اب کالیٹرل ڈیمج (Collatoral Damage) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

بقول کے کے عزیز، اغلباً پنجابی مسلمانوں کی اکثریت نے انگریز حکومت کا خیر مقدم کیا۔ بعض تو یہاں تک کہتے تھے کہ خدا نے انگریزوں کو اِس لیے بھیجا ہے کہ ہم کو سکھوں کے استبداد اور ظلم سے رہائی دلوائیں۔ انگریز حکمران نہ صرف اچھے منتظم تھے بلکہ رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتے تھے۔ انگریز نے صوبے کے الحاق کے فوراً بعد نظم ونسق کی طرف توجہ دی۔ محکموں کی از سرِ نو تقسیم ہوئی۔ کئی نئے محکمے کھولے، جنگل صاف کئے، سڑکیں پختہ کیں، نئی شاہراہیں بنوائیں، زرعی مشینری پر آبیاری کے انتظام کو درست کیا، ہسپتال کھولے اور عدالتیں قائم کیں۔ لاہور میں لاٹ صاحب کا دفتر تمام کاموں کی نگہداری کرتا۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ تعلیم عام کرنے پر حکومت نے بہت پیسہ خرچ کیا۔ دس پندرہ برس کے اندر ہر جگہ سکول کھولے۔ ڈاکٹروں کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔اس مشکل کو دور کرنے کے لئے ایک پنجاب میڈیکل سکول ۱۸۶۵ء میں کھولا گیا تھا، جو بعد میں کنگ ایڈورڈ کالج بنا۔[۴۹]

حوالہ جات

۱- دائرہ معارف اسلامیہ،جلد۵،لاہور، ۱۹۷۱ء،ص۳۸۷۔

۲- اقبال صلاح الدین،تاریخ پنجاب،عزیز پبلشرز، لاہور،۱۹۷۴ء،ص۲۳۔

۳- حوالہ سابقہ،اقبال صلاح الدین،ص۵۷۱۔

4. Sachindananda and Bhattacharya, *A Dictionary of Indian History*, George Bfaziler, New York, 1996, p. XVII.

5. Darshan Talta and lan Talbot, *Punjab : A Biblography*, Books and Books, Karachi, 1996, p. xvii.

۶- غلام حسین ذوالفقار،پنجاب تحقیق کی روشنی میں،سنگ میل پبلی کیشن،لاہور،۱۹۹۱ء،ص۲۶۷۔

۷- ملک اکرام علی،تاریخ پنجاب، جلد اول، قدیم زمانہ تا ۱۸۵۷ء، سلمان مطبوعات،لاہور،جون ۱۹۹۰ء،ص۱۹۸۔

۸- طاہر کامران(مترجم): تاریخ پنجاب ۱۸۴۹ء-۱۹۴۷ء،تخلیقات،لاہور،۲۰۰۶ء،ص۵۱۔

۹- دائرہ معارف اسلامیہ، جلد۵، حوالہ سابقہ، ص۶۵۸۔

۱۰- طاہر کامران، حوالہ سابقہ، ص۶۶۰۔

۱۱- ایضاً، ص۵۱۔

۱۲- بشریٰ افضل عباسی، جغرافیائی معلومات، انسائیکلوپیڈیا، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۲۸۸۔

۱۳- ثمینہ اعوان، ''برطانوی پنجاب، جدید مؤرخین پر ایک نظر'' مجلّہ تاریخ وثقافت پاکستان، اپریل ۲۰۰۱ء، ستمبر ۲۰۰۱ء، ص ص ۲۸-۶۹۔

14. Imran Ali, *The Punjab Under Imperialism 1885-1947,* Oxford University Press, Delhi, 1988, p. 238.

۱۵- اصغر علی شاہ جعفری، تاریخ پنجاب، ت ن، نیو بک پیلس، لاہور، ص۳۵۵۔

۱۶- دائرہ معارف اسلامیہ، حوالہ سابقہ، ص۶۵۷۔

۱۷- زاہد چوہدری، پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد۵، مسلم پنجاب کا سیاسی ارتقاء، ادارہ مُطالعہ تاریخ، ۱۹۹۱ء، لاہور، ص۲۵۔

۱۸- غلام حسین ذوالفقار، حوالہ سابقہ، ص۲۶۸۔

۱۹- زاہد چودھری، حوالہ سابقہ، ص۲۵۔

۲۰- دائرہ معارف اسلامیہ، حوالہ سابقہ، ص۶۵۷۔

۲۱- ایضاً، ص۶۵۸۔

۲۲- سید مصطفیٰ علی بریلوی، مسلمانانِ پنجاب کی تعلیم، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، ۱۹۷۵ء، ص۵۶-۵۷۔ مزید معلومات کیلئے دیکھئے، G.W. Leitner, *History of Indigenous Education in the Punjab,* Amar Ptakashan, Delhi, 1982, p. 19.

۲۳- ایضاً، ص۵۲-۵۳۔

۲۴- سید مصطفیٰ علی بریلوی، ایضاً، ص ۵۳۔

۲۵- ایضاً، ص۵۵۔

۲۶- ایضاً، ص۵۵۔

۲۷- ایضاً۔

۲۸- ایضاً،ص ۵۷-۵۸۔

۲۹- ایضاً۔

۳۰- ایضاً،ص ۵۸-۵۹۔

۳۱- ایضاً۔

۳۲- ایضاً،ص ۷۶۔

۳۳- سید محمد لطیف، تاریخ پنجاب، تخلیقات، لاہور، ۱۹۹۴ء،ص ۱۱۰۰۔

۳۴- ایضاً۔

۳۵- ایضاً۔

۳۶- ایضاً،ص ۱۱۰۱۔

۳۷- سید مصطفیٰ علی بریلوی، حوالہ سابقہ،ص ۷۸۔

۳۸- سید مصطفیٰ علی بریلوی، ص ۸۷۔

۳۹- اراکین مجلس قاسم المعارف (مرتبہ)، تعلیمی ہند دیو بند یو پی، دہلی، ۱۹۵۳ء،ص ۱۲۔

40. Syed Muhammad Latif, *History of the Punjab,* (English), Lahore, Sang-e-Meel Publication, 1997, p. 583.

41. Amarjit Singh, *Punjabs Divided,* New Delhi, Kanishka Publishers, 2001, p. 3.

۴۲- سید محمد لطیف، (اُردو) حوالہ سابقہ،ص ۱۰۶۳۔

۴۳- ایضاً،ص ۱۰۷۳۔

۴۴- رپورٹ مجموعی، انتظام ممالک پنجاب، وغیرہ بابت، ۸۲-۱۸۸۱ء، آریہ پریس، لاہور، ۱۸۸۳ء، ص ۸۰۔

۴۵- حوالہ سابقہ، دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۵،ص ۶۵۷۔

۴۶- محمد حنیف رامے، پنجاب کا مقدمہ، جنگ پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۶-۱۷۔

۴۷- زاہد چوہدری، جلد ۵،ص ۲۷۔

۴۸- سید مصطفیٰ علی بریلوی، حوالہ سابقہ،ص ۹۸-۹۹۔

۴۹- خورشید کمال عزیز، وہ حوادث آشنا، زاہد بشیر، لاہور، ۱۹۹۷ء،ص ۹-۱۳۔